BA Part-II
Paper- D

سوال نمبر ۸ نظم "مسجد قرطبہ" میں شاعر کی کیا مراد ہے؟ اس کا خلاصہ لکھئے یا نظم "مسجد قرطبہ" میں جن خیالات کو شعری جامہ پہنایا گیا ہے ان کی توضیح کیجیے

جواب: علامہ اقبال بہت بڑے مصلح قوم تھے ان کے دل میں قوم کا درد بیکراں کی طرح بے پناہ تھا جن دنوں وہ یورپ میں تھے تو وہاں کی تہذیب و تمدن، معاشرت طرز زندگی اور علم و ہنر کا ان کے درد مند دل پر بے پناہ اثر ہوا اور مسلمانوں کی زبوں حالی، نااتفاقی، بے عملی، جہالت اور جمود نے انہیں بے حد متاثر کیا۔ یہ نظم ان کے درد آشنا دل کے جذبات کی ترجمانی کرتی ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ زندگی میں روز و شب کے سلسلے کی حقیقت کیا ہے؟ ہر ایک زمانے کی رو ہے جس میں نہ دن ہوتا ہے نہ رات ہوتی ہے دن گزر جاتے ہیں جو لمحہ لمحہ ایک دن بھی فنا ہو کر فنا ہو جاتا ہے جو دن سلسلہ روز و شب میں نقش کہن بھی ہوتا ہے اور نقوش نو بھی ہوتے ہیں اور سب کے سب مٹ جاتے ہیں۔ اس دنیا کی ہر شے کو فنا ہونا ہے چاہے وہ اول و آخر ہو یا ظاہر و باطن ہو۔ لیکن اگر کسی بندہ خدا نے بندہ مومن نے اپنی زندگی میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ کبھی ختم نہیں کئے جا سکتے اور جو نقوش انہوں نے چھوڑے ہیں وہ ثابت نہیں مٹ سکتے اور نہ مٹائے جا سکتے ہیں۔

اقبال فرماتے ہیں کہ بندہ خدا کے دل میں جو تڑپ نہ ہو جذبہ ایثار نہ عشق نہ ہو اس کا ہر عمل فنا ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کے دل میں عشق کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہو تو اس کا کوئی عمل رائیگاں نہیں جاتا۔ حیات کی اصل عشق ہے اور جس کی اصل حیات عشق ہے اس کو موت نہیں آتی۔

آدمی مر جاتا ہے انسان نہیں مرتا ہے خود علامہ انسان کے متعلق فرماتے ہیں:

خدا تو ملتا ہے انسان نہیں ملتا
یہ چیز وہ ہے جو دیکھی کہیں کہیں میں نے

وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ زمانے کی رو تند و سبک سیر ہے اور عشق خود ہی زبردست دھارا ہے جو دوسرے دھاروں کو تھام لیتا ہے سلسلۂ زمانے گزرتے رہے۔ لیکن جذبات عشق سے اگر خالی تھے تو انہیں کوئی یاد نہیں کرتا۔ وہ کہتے ہیں کہ مکمل عشق کا نمونہ اگر دیکھنا ہو تو دیکھو۔ عشق دم جبریل ہے۔ عشق دل مصطفیٰ ہے۔ عشق خدا کا رسول ہے۔ عشق خدا کا کلام ہے۔ عشق کاس الکرام ہے۔ رحیم و رحمن بزرگوں اور ولیوں کا پیالہ ہے۔ عشق فقیہ حرم ہے۔ عشق امیر جنود ہے۔ افواج کا سپہ سالار ہے۔ عشق کے مضراب سے تار حیات سے نغمہ پیدا ہوتا ہے۔ عشق ہی سے نور حیات بھی ہے اور نار حیات بھی ہے۔ اگر عشق گمراہ ہو جاتا ہے تو وہ زندگی کو جہنم بنا دیتا ہے۔

اے مسجد قرطبہ تیرا وجود بھی عشق سے ہے۔ عشق مجسم جاوداں ہے وہ فانی نہیں ہے۔ خواہ وہ سنگ و خشت ہو یا رنگ و خشت ہو یا حرف و صوت ہو اگر عشق نہ ہو تو معجزۂ فن کی ارتقا نہیں ہو سکتی۔ اے مسجد قرطبہ تیری فضا عرش افروز ہے اور میری آواز سینوں میں سوز و گداز پیدا کرتی ہے۔ تیرے حضور میں دل جھکتے ہیں اور مجھ سے دلوں کی کشود ہے۔ ایک آواز اذان پر سبھی اہل ایمان تیرے حضور میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ اگر فرشتوں کے سجدے بے شمار ہیں تو اس سے کیا ہوا ان کا تو یہی کام ہے وہ تو ہر پل عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ لیکن اللہ نے انہیں دل دیا ہے لہذا انہیں سجدوں کے سوز و گداز کا علم نہیں ہوتا اور میں تو کافر ہندی ہوں لیکن میرے ذوق و شوق کا عالم یہ ہے کہ میرے دل میں صلوٰۃ و درود رہتا ہے اور میرے لب پر بھی صلوٰۃ و درود رہتا ہے میری لے میں کشش ہے چاہت ہے اور میری آواز میں بھی کشش اور چاہت ہے میرے رگ و پے میں نغمۂ اللہ ھو سرایت کر چکا ہے۔ تیرا جلال و جمال مردان حق پرست سے ہے۔ تجھ میں رونق تو اہل ایمان سے ہے۔ اے مسجد قرطبہ وہ اہل ایمان بھی وہ مردان حق پرست بھی جلیل و جمیل ہیں اور تو بھی جلیل و جمیل ہے تیری بنا پائیدار ہے اور تجھ میں بے شمار ستون ہیں۔ جیسے صحرائے شام میں بے شمار اشجار ہوں۔ تیرے در و دیوار اور چھتوں پر وادی ایمن کا نور ہے۔ تیرے بلند منارے جلوہ گاہ جبریل ہیں۔

کبھی کوئی بندۂ خدا مرد مسلماں مٹ نہیں سکتا ہے کیونکہ اس کی اذانوں سے حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دین کی تبلیغ ہوتی ہے۔ مرد مسلماں ساری دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ اس کے افق کا پھیلاؤ آسمانوں کی طرح ہے۔ اس کے سمندر کی موج دریائے دجلہ، ڈینوب اور نیل کی طرح ہے۔ ہر زمانے میں جو مرد مسلماں رہا ہے۔ اس کے دور بھی عجیب ایسے ہیں

اور اس کے کارنامے بھی عجیب ہیں وہ ارباب ذوق کے ساقی تھے اور میدان شوق کے شہسوار تھے جن کی شراب نہایت عمدہ اور خالص تھی اور جن کی تیغ بے مثال و بے نظیر تھی۔ وہ ایسا سپاہی تھا جس کی زرہ لا الہ تھی اور تلواروں کے سائے میں اس کی پناہ بھی لا الہ تھی۔

اے مسجد قرطبہ بندہ مومن کا راز تجھ سے آشکار ہوا کہ کس طرح اس نے تیغوں کی چھاؤں میں لے جا کر اپنے وفا عقیدۂ لا الہ اور عشق فدا سے جان پر کھیل کر تیری بنیاد ڈالی اور تیری تعمیر ہوئی اور تیرا وجود انہی سے ہے جن کا خیال بھی عظیم تھا اور جن کا مقام بھی عظیم تھا اور جو بندہ خدا تھا اس کا ہاتھ بھی خدا کا ہاتھ تھا وہ نہایت کارساز غالب تھا میدان میں ہر معرکے میں غالب تھا۔ وہ تھا تو خاکی لیکن نوری نہاد تھا اور اس میں مولائے کائنات شیر خدا حیدر اللہ کی صفات کی جھلک تھی اس لیے وہ بندۂ مولائے کائنات تھا۔ وہ دو عالم سے بے نیاز اور سارے جہان میں سب سے زیادہ غنی تھا ایسا کہ وہ خلافت کا مالک تھا۔ اس کی خواہشات قلیل تھیں لیکن اس کے مقاصد بہت جلیل تھے جس کی ہر ادا دل نواز تھی ہر نگاہ دلکش تھی جو گفتگو کے وقت نہایت نرم تھا اور جستجو میں ہمیشہ سرگرم رہتا تھا۔ خواہ وہ رزم ہو یا بزم وہ پاک دل و پاکباز تھا اس کا یقین کامل تھا وہ حق کے مدار پر رواں دواں تھا۔ وہی مرد مسلمان منزل عشق اور حاصل عشق تھا اور اس کائنات میں رونق چمک دمک انہی سے تھی اور انہی سے ہے۔

کونین چمکے ہیں قبائے بشری سے

دین اسلام کی شان و شوکت تجھ سے آشکار ہے۔ تو اہل فن کا کعبہ ہے۔ تجھ سے اندلس کی سر زمین میں سربلند ہے۔ اگر زیر آسمان تیری نظیر کہیں ہے تو وہ قلب مسلمان میں ہے اور کہیں نہیں ہے۔

آہ! وہ مردان حق پرست وہ عربی شہسوار جو خلق عظیم کے حامل تھے جو صدق و یقین کے مالک تھے جن کی حکومت سے عجیب و غریب سیاست کا پتہ چلتا ہے کہ اہل دل کی سلطنت شاہی نہیں ہے بلکہ فقر ہے۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ الفقر فخری۔ یہ عجیب و غریب سیاست ہے کہ حکومت شاہی سے نہیں چلتی تھی بلکہ فقر ~~سے~~ سے چلتی تھی۔

وہ اللہ والے جنہوں نے مشرق و مغرب میں تہذیب و تمدن کی داغ بیل ڈال اور جہالت کے اندھیروں سے اہل یورپ کو نکال کر اجالوں سے روشناس کرایا جن کے لہو کے طفیل سے آج بھی اہل اندلس خوش و خرم میں خوش دل ہیں اور جن کی جبینیں روشن ہیں۔ آج بھی اس ملک میں چشم غزال عام ہے اور تیر نگاہ آج بھی دل نشین ہیں۔ آج بھی اندلس کی فضا میں خوشبو ہے یمن باقی ہے اور آج بھی اس کی نواؤں میں رنگ حجاز باقی ہے۔

افسوس صد افسوس کہ سینکڑوں سال سے تیری فضاؤں میں آواز اذان نہیں گونجی۔ یہ نہیں کہاں ہیں وہ رنگ جن کا عشق بلاخیز تھا جن کا حافظ بے پناہ سخت جان تھا۔

~~اسی~~ انہی نے تمہارے سارے نقوش مٹا دیئے۔ وہ نقوش جو تم نے اصلاح دین کے لیے سرزمین اندلس پر چھوڑے تھے۔ جرمنی میں بھی جب لوگوں کے دلوں میں جذبات حریت بیدار ہوئے تو زبردست انقلاب آیا۔ جہد مسلسل اور یقین محکم کے ساتھ جب رومیوں نے قبیلہ روم کے خلاف بغاوت کی تو وہ کامیاب ہوئے۔ مگر افسوس یہ قوم امت مرحومہ جمود کا شکار کیوں ہے۔ ایسے انقلاب روس اور انقلاب فرانس سے سبق کیوں نہیں ملتا۔

آج وہی اضطرابی کیفیات اہل اسلام پر طاری کیوں۔ ان کے دلوں میں بھی اضطراب سے ہے

چھپتی ہے۔ مگر اس کو کیا کہا جائے کہ ایسا کیوں ہے۔ یہ راز خدائی ہے۔ اس سے کون واقف ہے۔ اب معارف باللہ کہاں ہیں جو راز خدائی کو سمجھ سکیں۔ یہ تو وہی سمجھ سکتے ہیں جنہیں عرفان الٰہی ہو۔ دیکھئے اس سمندر کی تہہ سے کیا اچھلتا ہے۔ مسلمانوں کے حالات کیسے بدلتے ہیں۔ آفتاب نے تو غروب ہو کر بے شمار لعل بدخشاں چھوڑے ہیں۔

آج دہقانوں کی لڑکیوں کے گیت سادہ و پُرسوز ہیں۔ عہد شباب کشتی دل کے لیے سیل رواں ہے۔ تند و تیز دھارا ہے جو انسان کے جذبات کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے۔

اے دریائے کبیر کے آب رواں تیرے قریب ہی ہی مسجد قرطبہ واقع ہے۔ تیرے کنارے کوئی بیٹھا ہوا حالات ماضی کے تصور میں کھویا ہے۔ وہ خواب دیکھ رہا ہے کہ پھر تیرے گنبدوں سے آواز اذان کی گونج فضاؤں میں سنائی دے رہی ہے۔ لیکن ابھی یہ اس کے مقدر میں حقیقتاً نہیں ہے۔

امت مرحومہ کی حیات اس کی بقا میں ہے جس کی زندگی میں جذبات انقلاب بیدار نہ ہوں وہ زندہ نہیں ہے۔ وہ مردہ ہے اور اس کی زندگی زندگی نہیں بلکہ موت ہے۔ وہ قوم جو ہر زمانہ میں ہر وقت اپنے اعمال کا احتساب کرتی ہے وہی قوم زندہ ہے۔ اگر خون جگر نہ ہو اگر دل میں فکر نہ ہو احساس اپنے اعمال کا احتساب کرتی ہے وہی قوم زندہ ہے۔ اگر خون جگر نہ ہو اگر دل میں فکر نہ ہو احساس نہ ہو تو زندگی کے سارے نقوش مٹ جاتے ہیں۔ اگر دل میں سوز و گداز نہ ہو تو کوئی نغمہ متاثر نہیں کر سکتا۔

اس میں اقبال اس طویل نظم میں اپنے احساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے قوم مسلم کو متنبہ کرتے ہیں کہ حیات جاودانی پانے کے لیے دل میں جذبہ نکو جذبہ عشق، جہد مسلسل یعنی مسلسل اور یقین کامل چاہیے۔ جذبہ ایثار چاہیے۔ اور یہ سمجھنا چاہیے کہ شاہی امیری میں نہیں ہے بلکہ شاہی فقیری میں ہے۔ یہی وہ سیاست امت مرحومہ تھی جس نے دنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہوں کو نیست و نابود کر دیا اور بڑی سے بڑی سلطنتوں کو تہس نہس کر دیا۔

اقبال کی نظم "مسجد قرطبہ" ہمارے سوئے ہوئے جذبات کو بیدار کرتی ہے اور ہمارے برسوں سے دبے ہوئے ولولوں کو ابھارتی ہے عمل پیہم، یقین محکم اور عشق جاوداں کا سبق ہمیں دیتی ہے اور ہمارے اسلاف کی شان و شوکت، رعب و دبدبہ، جہانبانی اور جہانداری سے روشناس کراتی ہے۔